زکوٰۃ و صدقات کا نظام

سوال :۔ انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ سے متعلق بعض سوالات کا جواب آپ سے مطلوب ہے۔ قرآن کہتا ہے: یسئلونک ماذا ینفقون، قل العفو (پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دو کہ جو ضرورت سے بچ رہے)

اس پر دو سوال اُٹھتے ہیں:۔

(۱) ضرورت کی کیا حدود ہیں۔ ہر شخص اپنی ضروریات کا ایک مختلف تصور رکھتا ہے۔ کسی کی ضرورت کے دائرہ میں صرف قوت لایموت آتا ہے، کسی کے میں آسائشات اور کسی کے تعیشات۔ پھر اس حکم کا مطلب بالآخر کیا ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے دائرہ یا اس مقدار کے بعد جو بچے وہ خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔

(۲) اگر خدا کی راہ میں تمام بچت خرچ کر دی تو سرمایہ کاری (INVESTMENT) کیسے ہوگی۔ اس طرح تو سرمایہ ہی نہ ہوگا اور ایک عامل پیدائش ختم ہو جائے گا۔ ملکی معیشت تباہ ہو جائے گی۔

اس کے بعد ایک دو سوالات زکوٰۃ کے بارے میں ہیں۔ ہمارے پروفیسر صاحب نے زکوٰۃ کا تنقیدی تجزیہ کیا تو مندرجہ ذیل دو نکتے بیان کیے جو درحقیقت اعتراض ہیں۔ ازراہِ کرم ان کا بھی جواب دیں۔

پہلا یہ کہ زکوٰۃ متناسب ٹیکس (PROPORTIONAL TAX) ہے متزائد ٹیکس (PROGRESSIVE TEX) نہیں۔ یعنی شروع میں جہاں سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس سے لے کر ارب پتی تک شرح ایک ہی رہتی ہے۔ اس طرح کم مالدار لوگوں پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ۲½ روپے کی قدر زیادہ مالدار لوگوں کی بہ نسبت کم مالدار لوگوں کے نزدیک زیادہ ہے۔ اس طرح یہ ناانصافی ہے جو کہ اسلامی معیشت میں روا رکھی جاتی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر فرض ہوتی ہے جو کہ سال کے دوران میں ضرورت سے بچ رہے اور جمع ہو گیا ہو۔ لیکن اگر ایک آدمی بے دردی سے (LAVISHLY) خرچ کر کے کچھ بھی نہیں بچاتا تو اُس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

جواب :- آپ کے سوالات کے جوابات مختصراً درج ذیل ہیں :-

یسئلونک ماذا ینفقون ۔ قل العفو ۔ میں اسلام کے نظامِ معاشی کا ایک ابتدائی اور بنیادی اصول بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی جائز کمائی پر حقِ ملکیت حاصل ہے ۔ اس سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ وہ شخصی ملکیت سے بالکل دستبردار ہو جائے ۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنی املاک میں تصرف کرے ۔ قانوناً اور اخلاقاً اس سے جس انفاق کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ اس مال سے متعلق ہے جو اس کے پاس زائد از ضرورت ہے ۔ اسلام کا یہ نقطۂ نظر اشتراکیت کے اس نقطۂ نظر کے برعکس ہے جس کے مطابق شخصی ملکیت کی نفی کی جاتی ہے اور اسے اجتماعی تحویل میں دے کر فرد کو ایسی پوزیشن میں رکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی کمائی میں سے خود اپنی ضروریات پوری کرنے کے بجائے ریاست سے ان کی وصولی کا محتاج اور دست نگر ہو ۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ جائز ضروریات کا تعین کیسے کیا جائے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اموال کی مادی مقادیر کے اعتبار سے ایسا تعین قطعاً محال ہے ۔ اسی لیے اسلام نے کچھ قانونی اصول بیان کر کے اور مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کر کے انہیں آزاد چھوڑ دیا ہے کہ ہر شخص اپنی جائز ضرورت کو خود ہی متعین کرے ۔ جن لوگوں نے اس کے برخلاف افراد کی ضروریات کی قانونی حد بندی کرنے کی کوشش کی ہے ، وہ اپنی کوششوں میں بری طرح ناکام ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں ۔

باقی رہا آپ کا یہ خیال کہ زائد از ضرورت خرچ کر دینے کے بعد کچھ باقی نہ بچے گا اور سرمایے کا عامل پیدائش ختم ہو جائے گا تو یہ دو وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں ۔ اولاً اس آیت کا لازمی اور قانونی منشا یہ نہیں ہے کہ زائد از ضرورت سارے کا سارا خرچ کر دیا جائے ۔ اگر ایسا ہوتا تو صدقہ ، زکوٰۃ اور وراثت وغیرہ سے متعلق بہت سے احکام کا نزول غیر ضروری ہوتا ۔ ثانیاً اگر اس آیت سے یہ استنباط کیا بھی جائے کہ ضرورت سے زائد کا انفاق لازم ہے تب بھی راہِ خدا میں دینے کے ساتھ ساتھ ایک شخص اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے اگر کچھ پس انداز کرے تو یہ اس کی ایک ضرورت ہے جس سے اسے جبراً محروم نہیں کیا جا سکتا ۔

زکوٰۃ کے متعلق آپ نے اپنے استاد صاحب کے جو اعتراضات نقل کیے ہیں وہ چند در چند غلط فہمیوں اور لاعلمیوں پر مبنی ہیں ۔ پہلی غلطی معاشیات کے ان اساتذہ و ماہرین کی یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ محض

ایک مالیاتی ٹیکس ہے جسے حکومت زبردستی وصول کرتی ہے اور دینے والا اسے دل پر پتھر رکھ کر دیتا ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ اسلام میں نماز کی طرح ایک عبادت ہے جس کے اندر کام کرنے والی روح اور اس پر ابھارنے والا جذبہ ٹیکس سے بالکل مختلف ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ ہمارے ہاں صدیوں سے زکوٰۃ وصول کرنے والی اسلامی حکومت موجود نہیں، لیکن دینے والے ہم سے آ آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ ہمارے ذمہ کتنی زکوٰۃ ہے کہ ہم اسے ادا کر کے اس فریضے سے سبکدوش ہو جائیں۔ اس لیے زکوٰۃ کو ٹیکس کے مشابہ قرار دے کر اس کا ٹیکس کے قواعد و نظریات سے موازنہ کرنا بنیادی طور پر صحیح نہیں۔

زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ لینے سے جو دوسری غلطی پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ معاشیین اس فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ٹیکس کا فائدہ بالعموم امیروں اور غریبوں سب کو بلا امتیاز پہنچتا ہے کیونکہ وہ قومی خزانے کا جزو بن جاتا ہے اور بعض صورتوں میں امیر اس سے زیادہ مستفید ہوتے ہیں، لیکن زکوٰۃ ایک ایسا مال ہے جو لیا تو امیر اور متوسط طبقے سے جاتا ہے مگر اس کا استفادہ محض غربا کے لیے مختص ہے۔ یہ صرف نقد سرمایے پر نہیں، بلکہ اموال تجارت پر بھی ہے، زرعی پیداوار پر بھی ہے، مواشی پر بھی ہے، معدنیات اور زیورات پر بھی ہے۔ اس کی شرح ہر حال میں ڈھائی فیصد نہیں بلکہ کہیں دس فیصد اور کہیں اس سے زائد ہے۔ زکوٰۃ کا بڑا وسیع اور متنوع نظام ہے جس کا عمل یک طرفہ ہے اور جس میں متزائد ٹیکس کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوتی اگر یہ عمل لگاتار جاری رہے تو نظام معیشت بہت جلد خود بخود متوازن ہو جاتا ہے۔

آپ کے استاد صاحب کا یہ اعتراض بھی غلط فہمی پر مبنی ہے کہ زکوٰۃ چونکہ آمدنی کے بجائے بچت پر ہے اس لیے ایک شخص بے دردی سے اپنی دولت کو خرچ کر کے اس سے بچ سکتا ہے۔ اس اعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے کہ زکوٰۃ ہر حالت میں بچت پر نہیں ہے۔ سال گزرنے کی شرط تو صرف نقد سرمایے یا سونے چاندی کے معاملے میں ہے، زرعی پیداوار پر زکوٰۃ فوراً عائد ہو جاتی ہے، اور ہمارے زرعی ملک میں یہ آمد زکوٰۃ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی طرح محض بچت پر زکوٰۃ والا اعتراض اموال تجارت، مصنوعات اور ان سے ملتے جلتے دوسرے کاروبار کے خلاف بھی مشکل ہی سے عائد ہو سکتا ہے، کیونکہ کوئی تاجر یا کاروباری اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ محض زکوٰۃ سے بچنے کی خاطر اپنے اموال سال گزرنے سے پہلے اونے پونے داموں پر بیچ دے

اور سر ہلنے کو بھی ٹھکانے لگا کر خالی ہاتھ بیٹھ رہے۔

لیکن اس طرح کے اعتراضات کی تہ میں جو بنیادی غلطی کام کرتی ہے وہ یہ ہے کہ معترض حضرات زکوٰۃ کے مجرد اصول کو اسلام کے اجتماعی نظریۂ حیات سے کاٹ کر اسے اپنی توجہ اور عنایت کا مرکز بنا لیتے ہیں اور یہ تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ زکوٰۃ کو اسلام کے پورے معاشی نظام میں اور پھر اس معاشی نظام کو اسلام کے پورے اجتماعی نظام کے فریم میں رکھ کر دیکھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ستون خواہ اپنی جگہ کتنا ہی مستحکم و متین کیوں نہ ہو اگر وہ بغیر کسی چھت و عمارت کے فضا میں استادہ نظر آتا ہو تو وہ عجیب اور بے ہنگم معلوم ہوگا۔ بالکل ایسا ہی معاملہ زکوٰۃ اور اس کے خلاف اعتراضات کا ہے۔ لوگوں کا اعتراض یہ ہے کہ زکوٰۃ اگر آمدنی کے بجائے بچت پر لگائی جائے گی تو لوگ سارا روپیہ عیاشیوں پر خرچ کر ڈالیں گے۔ سوال یہ ہے کہ بالفرض محض ڈھائی فیصد زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایک شخص اپنا سارا روپیہ لٹا دے گا تو آخر کس چیز پر لٹا دے گا؟ زنا کاری شراب نوشی، رقص و سرود، جوا بازی، ریشم پوشی، سودی سرمایہ کاری، سٹہ، یہ سب اس کے لیے ممنوع ہیں۔ اسی طرح غیر پیداآور اور (UNPRODUCTIVE) اور مفسد انگیز مشاغل کی راہیں قریب قریب مسدود ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی حکومت یہ بھی کر سکتی ہے کہ اسراف و تبذیر کی راہ میں بالواسطہ طریق پر رکاوٹیں عائد کر دے مثلاً خاص قسم کے سامانِ تعیش کی پیدائش اور درآمد کو روک دے۔ انسان اپنا پیسہ زیادہ تر انہی لذات و شہوات ہی میں کھپاتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ کچھ کرے گا، مثلاً مکان بنائے گا، یا فرنیچر خریدے گا تو روپیہ کسی نہ کسی صورت سے گردش میں تو آئے گا، اس کے عوض میں کوئی شے وجود میں تو آئے گی، اس سے کچھ لوگوں کو روزگار تو مہیا ہوگا اور روپیہ روک کر رکھنے کی بہ نسبت بہرحال ایک بہتر صورت ہوگی۔ اسلام جو سرمایہ کے خرچ کرنے (SPENDING) کے بجائے اسے جمع کرنے (HOARDING) پر زکوٰۃ عائد کرتا ہے، اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کو جمع کرنے کے بجائے جائز طریق پر خرچ کرنے کی عادت پڑے، اور دولت رکنے اور منجمد ہونے کے بجائے حرکت میں آئے اور نمو پذیر ہو۔

لیکن جیسا کہ اوپر اشارۃً عرض کیا گیا اسلام محض معاشی قوانین و ضوابط ہی کی حد تک ہماری رہنمائی نہیں کرتا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام، پورے اسلامی نظام کا ایک جزو ہے جس میں بہت سے اخلاقی، معاشرتی